معراج انسانیت

ضمیمہ "پیام عمل" لاہور ماہ مئی ۱۹۶۶ء

سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ لاہور نمبر ۱۹۶

معراجِ انسانیت

سیرت حسنین علیہم السّلام کی روشنی میں

از

سرکار سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی مجتہد العصر مدظلہ العالی

ناشر

امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ پاک نگر اکرم روڈ لاہور

قیمت ۰۶ پیسے

تعارف

جناب سرکار سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی مجتہد العصر مدظلہ العالی کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں - یہ کتابچہ بھی انھیں کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے - اس میں سرکار علامہ نے سیرت حسنین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں انسانیت کی معراج کا ذکر فرمایا ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ائمہ اہل بیت ع ہی کی پاک زندگیاں ہیں معراجِ انسانیت کی نشان دہی کر سکتی ہیں - یہی وہ پاک ہستیاں ہیں جن کی عصمت و طہارت کی گواہی خود قرآن پاک نے آیۂ تطہیر میں دی ہے۔

یہ رسالہ امسال محرم الحرام کے موقع پر لکھنؤ میں امامیہ مشن نے طبع کیا ہے۔ ہم بھی اسے مومنین کے افادہ کے لیے طبع کروا رہے ہیں۔

منیجنگ ٹرسٹی

مئی ۶۶ء

امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

معراج انسانیت

سیرت حسنین علیہم السلام کی روشنی میں

انسان کی بلندی، عقل و تدبر کے استعمال اور فرض شناسی میں ہے۔ اسی صفت کے کمال اور نقص سے اس کی بلندی اور پستی کے حدود معین ہوتے ہیں یہی وہ تقویٰ ہے جسے قرآن نے معیار فضیلت بشری قرار دیا ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (یعنی) تم میں زیادہ صاحب عزت وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

فرائض ہمیشہ ایک ہی شکل و صورت پر نہیں ہوتے۔ کوئی بڑے سے بڑا حکیم و دانشمند فرائض کی کوئی ایسی فہرست مرتب نہیں کر سکتا جو ہر شخص کے لیے ہر حال میں قابل عمل ہو۔

فرض شناس انسان کا عمل انتہا پسندی کے دو نقطوں کے درمیان ہوتا ہے اسی کا نام عدل و اعتدال ہے جو حسن اخلاق کی جان ہے۔

چنانچہ پیغمبر اسلامؐ نے ترپن ۵۳ سال کی عمر یعنی ہجرت کے بعد تک کبھی تلوار نیام سے نہیں نکالی۔ مگر مکہ معظمہ میں قیام کے بعد جب مشرکین کی طرف سے جارحانہ اقدام ہو گیا تو اس کے بعد بدر ہے، احد ہے، خندق ہے، خیبر ہے اور حنین ہے لیکن جب خود زیارت کعبہ کی نیت سے مکہ معظمہ کی طرف گئے تو باوجودیکہ اسوقت ساتھ میں وہی بلند حوصلہ فتوحات حاصل کیے ہوئے سپاہی تھے جو ہر میدان سر کرتے رہے اور سامنے مکہ میں وہی شکست خوردہ جماعت تھی جو ہر میدان میں ہارتی رہی تھی مگر پیغمبر خداؐ نے صلح فرما کر ایسی اختیار کی

اور صلح بھی ایسے شرائط پر جن سے عام طور پر مسلمانوں میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ اور وہ انھیں اپنے لیے توہین آمیز خیال کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت علی بن ابی طالبؑ۔ آپ نے تقریباً چوبیس برس کی عمر تک ایک دفعہ بھی تلوار نیام سے نہیں نکالی۔ حالانکہ ان کے مربی حضرت پیغمبر خداؐ کے جسم مبارک پر پتھروں کی بارش ہوتی تھی، اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچتی تھیں مگر وہ اس نو عمری میں اسے محسوس کرتے تھے، کہ فرمانِ ایزدی ابھی رسولؐ کے لیے جنگ کا نہیں آیا ہے، تو ان کے کسی پیرو کا بھی کوئی اس طرح کا اقدام درست نہیں ہے مگر جب حکم جہاد آگیا تو اب ہر میدان میں علیؑ ہی علیؑ نظر آتے ہیں۔ بدر و احد، خندق اور خیبر ہر بڑی جنگ کے فاتح حضرت علیؑ بن ابی طالب ہی ہیں، لیکن حدیبیہ میں جب رسولؐ صلح پر مامور تھے تو دوسروں کی زبان پر جوش ہی نہ جانے کیا کیا آ رہا تھا اگر علیؑ کی زبان سے ایک دفعہ بھی نہیں نکلا کہ ہم صلح کیوں کریں بلکہ جس طرح جنگ میں علم ان کے ہاتھ میں ہوتا تھا اسی طرح آج صلحنامہ لکھنے میں قلم ان کے ہاتھ میں تھا اور پھر رسولؐ کے بعد تو پچیس برس خاموشی میں گزار دیے اور کتنے ہی جوش میں لانے والے حالات کے باوجود تلوار نیام سے نہیں نکالی لیکن آخر عمر میں پھر جب فریضۂ جہاد ذمہ پر آیا تو جمل اور صفین اور نہروان کے معرکوں میں وہی تلوار چمکتی نظر آئی جو پہلے بدر و احد و حنین میں چمک چکی تھی۔

اب جبکہ حضرت پیغمبر خداؐ کی واحد زندگی میں مختلف نمونے سامنے آگئے جو بظاہر متضاد ہیں حضرت علی بن ابی طالبؑ کی واحد زندگی میں ایسی ہی مثالیں سامنے آگئیں تو اب اگر دو شخصیتوں میں باقتضائے حالات اسی طرح کی دو رنگی نظر آئے تو اس کو اختلاف طبیعت یا اختلاف رائے کا نتیجہ سمجھنا کیونکر درست ہو سکتا ہے اور یہ کیوں کہا جائے کہ حسن مجتبیٰؑ طبعاً صلح پسند تھے اور امام

حسینؑ طبعاً جنگ پسند تھے بلکہ یہی سمجھنا چاہیے کہ اس وقت کے حالات کا تقاضا وہ تھا، اور اس وقت کے حالات کا تقاضا یہ ہے۔ اس وقت حسن مجتبیٰؑ امام تھے، ان کو فریضۂ الٰہی وہ محسوس ہوا اور اس وقت حضرت حسین بن علیؑ امام تھے ان کو فریضۂ ربانی اس وقت کے حالات میں یہ محسوس ہوا۔ نہ اس میں جذبات کا کوئی دخل تھا اور نہ اس میں۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کا حضرت پیغمبر خداؐ نے مختلف الفاظ میں پہلے سے اظہار فرمادیا تھا۔ کبھی ان الفاظ میں کہ "ابنای ھذان امامان قاما او قعدا" "یہ میرے دونوں فرزند امام ہیں چاہے کھڑے ہوں اور چاہے بیٹھے ہوں"۔

اس وقت کی دنیا اسے نہیں سمجھ سکتی تھی کہ امام کہنے کے ساتھ "قاما او قعدا" کس لیے کہا جا رہا ہے؟ امامت میں اٹھنے اور بیٹھنے کا کیا دخل، مگر جب مستقبل نے واقعات پر سے پردہ اٹھایا تو اب معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ ماضی کے آئینہ میں مستقبل کا نقشہ دیکھ رہے تھے۔ کہ ایک صلح کر کے بیٹھ جائے گا۔ اور ایک تلوار لے کر کھڑا ہو جائے گا۔ کچھ لوگ حسنؑ کی صلح پر اعتراض کریں گے اور کچھ حسینؑ کی جنگ پر۔ آپ نے اسی لیے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں امام ہیں چاہے کھڑے ہوں اور چاہے بیٹھے ہوں۔ یعنی حسنؑ صلح کر کے بیٹھ جائے تو اعتراض نہ کرنا اور حسینؑ تلوار لے کر کھڑا ہو جائے تو اعتراض نہ کرنا۔ وہ بیٹھنا بھی حکم خدا سے ہے اور یہ کھڑا ہونا بھی حکم خدا سے ہے۔ وہ اس وقت کے حالات کا تقاضا ہے اور یہ اس وقت کے حالات کا ۔ اور کبھی اس طرح جسے علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ سیدۂ عالم اپنے والد بزرگوار حضرت رسولؐ کے پاس دونوں شہزادوں کو لے کر حاضر ہوئیں اور عرض کیا، "یا ابت ھذان ابناک فانحلھما"۔ ابا جان یہ دونوں بچے آئے ہیں انھیں کچھ عطا فرمائیے۔

حضرت نے فرمایا "اما الحسنؑ فلہ حلمی وسودی واما الحسین فلہ جرأتی وجودی" مطلب یہ ہوا کہ انھیں اور کسی عطیہ کی کیا ضرورت ہے ان میں تو میری صفات تقسیم ہوگئی ہیں۔ حسنؑ میں میرا حِلم اور میری شانِ سرداری اور حسینؑ میں میری جرأت و ہمت ہے اور میری فیاضی۔ اب اس تقسیم پر غور فرمایئے، معلوم ہوتا ہے کہ ظرفِ زمانہ کے لحاظ سے جس کو جس صفت کا مظہر بننا تھا اسی صفت کو رسولؐ نے اپنا قرار دیا تاکہ اس صفت سے جو کارنامہ ظہور میں آئے وہ کسی مسلمان کے نزدیک قابلِ اعتراض نہ ہوسکے۔ اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ حسنؑ کی صلح حسنؑ کی طبیعت کا تقاضا نہ سمجھنا بلکہ وہ میرے حلم کا نتیجہ ہے اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ اس موقع پر میں ہوتا تو وہی کرتا جو حسنؑ کریگا۔ اور حسینؑ کی جنگ کو حسینؑ کی طبیعت کا تقاضا نہ سمجھنا بلکہ وہ میری جرأت کا نتیجہ ہے اور اسکا مطلب یہ ہوا کہ اس موقع پر میں ہوتا تو وہی کرتا جو حسینؑ کرے گا۔ اب حسنؑ کی صلح پر اعتراض رسولؐ کے حلم پر اعتراض ہے اور حسینؑ کی جنگ پر اعتراض رسولؐ کی جرأت پر اعتراض ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حسنؑ نے صلح کرکے جہادِ حسین علیہ السلام کا پس منظر تیار کیا وہ صلح اسوقت نہ ہوتی تو اس کے بعد جہاد کا یہ ہنگام نہ آسکتا، کیونکہ اسلام میں جنگ بمجبوری ہوتی ہے۔ اسوقت جب صلح کا امکان باقی نہ رہے جب تک اصول کے تحفظ کے ساتھ صلح کا امکان رہے، اسوقت تک جنگ کرنا غلط ہے۔ پھر جب کہ آئین اسلام میں صلح کا درجہ جنگ پر مقدم ہے تو اگر امام حسنؑ صلح نہ کرچکے ہوتے تو اتمام حجت نہ ہوتی اور حضرت امام حسینؑ کے لیے جنگ کا موقع پیدا نہ ہوتا۔ امام حسنؑ کے شرائطِ صلح پر نظر ڈالی جلئے تو معلوم ہوگا کہ اس صلح کے شرائط میں ان مقاصد کا پورا پورا تحفظ کیا گیا تھا جن کے لیے پھر کربلا کی جنگ ہوئی۔ یہ نہ دیکھیے

کہ ان شرائط پر عمل ہوا یا نہیں بلکہ میں عمل تو حدیبیہ کی صلح کے شرائط پر بھی نہ ہوا تھا مگر جب تک صلح کا معاہدہ وقوع میں نہ آئے فریق مخالف پر شرائط کی خلاف ورزی کا الزام ہی کہاں عائد ہو سکتا ہے۔ تاکہ جنگ کا جواز پیدا ہو۔ وہاں جب حدیبیہ کے شرائط پر عمل نہ ہوا تو فتح مکہ ہوئی۔ اور یہاں شرائط پر عمل نہ ہوا تو معرکۂ کربلا قائم ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ تاریخی واقعات کی رفتار کا لازمی اقتضا تھا کہ اس وقت صلح ہو اور اس وقت جنگ ہو۔ اور وہ حصہ وقت کا امام حسنؑ کے حصے میں آیا اور یہ ہنگام امام حسینؑ کے حصے میں آیا۔ اگر معاملہ برعکس ہوتا یعنی سنہ ۴۱ھ میں امام وقت امام حسینؑ ہوتے تو صلح امام حسینؑ کرتے اور اگر سنہ ۶۱ھ میں امام حسنؑ موجود ہوتے تو یہ جہاد امام حسن علیہ السلام فرماتے۔ حضرت امام حسنؑ جانتے تھے کہ میرا جہاد ہے صلح کرنا، ان کی صلح مقتضائے شجاعت تھی اور امام حسینؑ کا جہاد تھا یزید کے مقابلے میں تلوار کھینچنا یہ ان کی شجاعت کا مظاہرہ تھا کیونکہ جس طرح علمائے اخلاق نے بیان کیا ہے شجاعت ہر موقع پر تلوار لے کر بڑھ جانے کا نام نہیں ہے بلکہ شجاعت قوتِ غضب کے تابع حکمِ عقل ہونے کا نام ہے اور یہ قوتِ غضبیہ کے اعتدال کا درجہ ہے اگر انسان نے بے موقع غصہ سے کام کیا اور قدم آگے بڑھا دیا تو "تہور" ہوگا اور اگر موقع آنے پر بھی کمزوری دکھائی تو اس کا نام "جبن" ہوگا۔ یہ دونوں چیزیں شجاعت کے خلاف ہیں۔ شجاعت یہ ہے کہ بے محل قدم آگے نہ بڑھے اور محل آنے پر خاموشی نہ ہو۔ ان دونوں رخوں کو حسنؑ و حسین علیہما السلام نے پیش کیا اور اس طرح دونوں نے مل کر شجاعت کی مکمل تصویر کھینچ دی۔ پھر یہ واقعہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے بھی صلح کی کوشش میں کوئی کمی نہیں کی۔ یہ تو فریق مخالف کا طرزِ عمل تھا کہ اس نے وہ تمام شرائط مسترد کر دیے۔

اگر دشمن شرائط کو منظور کر لیتا تو کارنامۂ کربلا بھی صلح پر ختم ہوتا۔ اسکے بعد کسی کو یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ امام حسن علیہ السلام طبعاً صلح پسند تھے۔ اور امام حسین علیہ السلام نسبتاً جنگ پسند تھے۔ وہاں امیرِ شام نے سادہ کاغذ بھیج دیا تھا کہ حسن مجتبیٰ ؑ جو شرائط چاہیں لکھ دیں۔ امام حسن ؑ نے شرائط لکھے اور امیرِ شام نے ان کو منظور کیا۔ اور امام حسین ؑ کے سامنے تھا یزید ایسے شخص سے بیعت کا سوال جسے آلِ محمدؐ میں سے کوئی بھی منظور نہیں کر سکتا تھا۔ امام حسین ؑ زندگی کے اس ایک دن یعنی عاشور کو ہی حسین ؑ نہ تھے وہ اپنی زندگی کے ۵۷ برس میں ہر دن حسین ؑ تھے پھر آخر صرف ایک دن کے کردار کو سامنے رکھ کر کیوں رائے قائم کی جاتی ہے؟ اس ایک دن کو نکال کر جو ۵۷ برس ہیں وہ ان کی فہرست حیات سے کیونکر خارج ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت امام حسن ؑ صرف اس دن جب صلحنامہ پر دستخط کیے ہیں اسی وقت امام حسن ؑ نہ تھے۔ حسن ؑ نام تو ان پوری زندگی کا تھا لہٰذا آپ کی پوری زندگی کو سامنے رکھ کر رائے قائم کرنا درست ہوگا۔ اور اگر صرف ایک حصۂ حیات کو سامنے رکھ کر تصویر کھینچی جائے گی تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے رسول ؐ کے صرف دورِ جہاد کو دیکھ کر مخالفینِ اسلام نے آپکی یہ تصویر کھینچی کہ آپ کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور ایک ہاتھ میں قرآن۔ جس طرح یہ تصویر غلط ہے اسی طرح امام حسن ؑ کی تصویر صرف صلح کو سامنے رکھ کر اور امام حسین ؑ کی تصویر صرف ان کی جنگ کو دیکھ کر۔ بیشک یہ غلطی اتنی عام ہے کہ ان کے نام لیوا آگے اور ان کی سیرت و کردار کی پیروی پر زور دینے والے بھی ان کا وہی صرف ایک کردار جانتے اور اسی کو پیش کرتے ہیں۔ اس لیے تقریروں میں گرمی پیدا کرنے کے لیے اور کسی بڑے معرکہ میں قدم بڑھانے کے واسطے خون میں جوش پیدا کرنے کے لیے حضرت امام حسین ؑ کا نام لیتے اور ان کے کارنامے کو یاد دلاتے ہیں۔ چاہے مقصد صحیح ہو یا غلط اور وہ جو اپنی تمام عمر شہادت سے ایک دن پہلے تک معرکہ آرائی کو ٹالتے رہے وہ گویا حسین ؑ کا کردار نہیں ہے کسی اور کا ہے۔ پوری تصویر تو اسی وقت ہوگی جب پوری سیرت کو سامنے رکھ کر تصویر کھینچی جائے۔

(تعلیمی پریس لاہور)

ضمیمہ ماہنامہ پیام عمل لاہور مئی 1966 رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۰۷

حسینی فنڈ

میں

عطیۂ مرحمت فرما کر مرسلہ رقم سے دوچند قیمت کا لٹریچر اردو۔ انگریزی۔ گجراتی۔ بنگالی۔ پشتو۔ سندھی اور عربی جس زبان میں بھی مطلوب ہو (بعد منہائی اخراجات ڈاک) مجالسِ محترم سے قبل حاصل کیا جاسکتا ہے۔ عاشقانِ حسین علیہ السلام سے استدعا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ حصہ لے کر کربلا کی عظیم قربانیوں کی اس کے اسباب و علل کے ساتھ نشر و اشاعت میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ آج بھی حسینیت پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوششیں ہو رہی ہیں ان کا دفاع ہمارا دینی فریضہ ہے۔

یقیناً اس علمی نصرت کا اجر ان کو معصومۂ عالم ہی درگاہِ احدیت سے دلوائیں گی۔

مینجنگ ٹرسٹی

— الداعی الی الخیر —

امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ بھارت نگر اکرم روڈ لاہور پوسٹ بکس ۴۸۵